رسائل و مسائل

والدین کے حقوق

سوال: ہمارے حلقۂ احباب میں چند مسائل کے متعلق بحث و اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ براہ کرم ان کی صحیح حقیقت سے آگاہ کریں۔ مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) کیا حدیث میں یہ مذکور ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنی ماں کی جانب منسوب کیے جائیں گے؟ بعض اصحاب والدہ کی فضیلت اور اس کے حقوق کے سلسلے میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

(۲) کوئی باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کر دے تو کیا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا؟ اور کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث ہے اور وہ اپنے آپ کو معاف کر سکتا ہے؟ جن جرائم کا حقوق العباد سے تعلق ہے، کیا ان کے بارے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ جس فرد کی جان یا مال پر دست درازی ہوئی ہے، اگر وہ معاف کر دے تو حق مارنے والے سے باز پرس نہ ہوگی؟

(۳) ماں باپ کی اطاعت کن کن امور میں اولاد پر جائز اور فرض ہے؟ کیا والدین کے حکم سے کوئی بیٹا شرعاً مجبور ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے؟

جواب۔ (۱) اس امر میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے والدین کے حقوق و واجبات پر بہت زور دیا ہے، ان سے حسنِ سلوک کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق بیان کیے ہیں ــــــــ بعض صحیح احادیث میں جہاں والدین سے صلۂ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، وہاں ایک یا دو مرتبہ پہلے والدہ کا ذکر ہے اور اس کے بعد والد

کا ذکر ہے۔ لیکن جس مضمون کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے یہ کسی صحیح اور مستند حدیث میں وارد نہیں ہے۔
اگرچہ بعض حدیث کے مجموعوں میں ایک روایت اس طرح کی مذکور ہے لیکن محدثین اور فنِ رجال کے ماہرین
کے نزدیک یہ غیر صحیح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: یُدعی الناسُ باُمّہاتہم یومَ القیامۃ ستراً
من اللہ علیہم (قیامت کے روز لوگوں کو ان کی ماؤں کے نسب سے پکارا جائے گا تاکہ اللہ کی جانب سے
ان کی پردہ داری ہو) امام ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب
التعقبات علی الموضوعات میں اگرچہ بہت سی ان احادیث کو موضوعات سے خارج قرار دیا ہے
جن پر ابن جوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے۔ لیکن اس روایت کو تعقبات، باب البعث میں ابن عدی کے
حوالے سے منکر ہی لکھا ہے۔ منکر اس ضعیف روایت کو کہا جاتا ہے جس کا راوی فحش غلطی، شدید غفلت
یا فسق وفجور کا مرتکب ہو۔

والدین اور بالخصوص والدہ کے اکرام واحترام پر دلالت کرنے والی واضح نصوص جب کتاب و
سنت میں موجود ہیں، تو اس کے بعد ایسی منکر یا موضوع روایت کا سہارا لینے کی کیا حاجت ہے
جس سے ماں کی افضلیت کا کوئی خاص پہلو نہیں نکلتا اور جو قرآن مجید (سورۂ احزاب) کی اس آیت
سے بھی مطابقت نہیں رکھتی جس میں لوگوں کو ان کے باپوں کے نسب سے پکارنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ فقہاء کی اکثریت اس امر کی قائل ہے کہ باپ اولاد کو قتل کرے تو اس سے
قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن یہ اس بنا پر نہیں کہ باپ بیٹے کا وارث یا ولی قصاص ہے اور وہ چاہے
تو اپنے آپ کو معاف کر دے۔ اپنے جرم پر اپنے آپ ہی کو قابلِ معافی قرار دینے کا تصور بالکل
لغو ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ہر شخص جو مقتول کا وارث بن سکتا ہو یا مطالبۂ قصاص کا قانونی حق
رکھتا ہو، وہ اگر خود ہی قاتل ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن یہ اس بنا پر نہیں کہ باپ بیٹے
کا وارث یا ولیٔ قصاص ہے اور وہ چاہے تو اپنے آپ کو معاف کر دے۔ اپنے جرم پر اپنے آپ
ہی کو قابلِ معافی قرار دینے کا تصور بالکل لغو ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ہر شخص جو مقتول کا وارث
بن سکتا ہو یا مطالبۂ قصاص کا قانونی حق رکھتا ہو، وہ اگر خود ہی قاتل ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا

جا سکتا۔ باپ کو اولاد کے قتل کرنے پر قصاص سے صرف اس وجہ سے مستثنیٰ سمجھا گیا ہے کہ اس کے حقوق اولاد پر بے حد و حساب ہیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک صحابی اور اس کے بیٹے کی ناچاقی کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا: اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (تو اور تیرا مال و متاع سب تیرے والد کا ہے)۔ ایک دوسری حدیث میں اولاد کو والدین کی کمائی میں شمار کیا گیا ہے۔ اولاد کے بالمقابل والدین کی اس غیر معمولی مرتبت و منزلت کی بنا پر یہ استنباط کیا گیا ہے کہ والدین سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ اگر والد اولاد کو ناحق قتل کرے تو عنداللہ بھی اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

والدین کے ماسوا دوسرے اعزہ جنہیں وراثت یا قصاص کی ولایت اور مطالبے کا حق پہنچتا ہے وہ اگر خود اپنے مورث کے قاتل ہوں تو وارث ہونے کے باوجود ان سے قصاص لیا جا سکتا ہے اور اگر محض ورثہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے قتل کا ارتکاب کیا ہو تو وہ ارشادِ نبوی کے مطابق محروم الارث بھی قرار پائیں گے۔

اسلامی شریعت کا یہ اصول بھی ہرگز نہیں ہے کہ جن جرائم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، ان میں اگر مظلوم یا اس کا ولی معاف کر دے تو ریاست ظالم یا مجرم سے مواخذہ نہیں کر سکتی۔ بہت سے جرائم جن کا تعلق انسان کی جان، مال یا آبرو سے ہے وہ حکومت کی دست اندازی کے قابل اور احتساب کے لائق ہیں اور وہ فریقین کے مابین قابل راضی نامہ بھی نہیں۔ مثال کے طور پر زنا، چوری یا ڈاکہ ایسے جرائم ہیں جن پر ریاست ہر حال میں گرفت کرے گی اور سزا دے گی کیونکہ انفرادی قتل تو بسا اوقات ذاتی پرخاش یا وقتی محرکات پر مبنی ہو سکتا ہے جس میں مقتول کے ورثا اگر دیت یا عفو و درگزر پر راضی ہو جائیں تو مزید انتقامی کارروائی، خونریزی اور فساد کا سدِ باب ہو سکتا ہے، لیکن مذکورہ بالا اجتماعی جرائم کی نوعیت ایسی ہے جن میں نرمی یا چشم پوشی برتنے سے مزید شر اور فتنوں کے پھیلنے کا امکان قوی ہو جاتا ہے۔ قتل میں بھی اگرچہ مقتول کے اولیاء دیت لے لیں یا معاف کر دیں تو قصاص کی سزا تو نافذ نہ ہوگی، لیکن بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اولیاء کے راضی ہو جانے کے باوجود اگر اسلامی حکومت یہ

سمجھے کہ فتنہ و فساد کے اسباب کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لیے قاتل کو کچھ تادیب و تعزیر ضروری ہے، تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو افعال خدا و رسول کے نزدیک ممنوع یا مذموم ہیں ان میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، بقیہ امور میں والدین کی اطاعت جائز و مستحسن بلکہ اکثر حالات میں لازم ہے۔ جہاں تک باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینے کا سوال ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ بیٹا صرف اسی صورت میں طلاق دے، جب کہ والد کا حکم کسی مصلحت شرعی پر مبنی ہو، ورنہ ناحق طلاق خدا کی نگاہ میں بہرحال ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ دراصل یہ مسئلہ آغاز میں اس طرح پیدا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے طلاق دے دی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ ہر باپ حضرت عمرؓ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ ایک جلیل القدر صحابیِ رسول اور صاحبِ اتقاء انسان تھے۔ ان کی پاکیزہ زندگی اور بے مثال سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے بجا طور پر یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کسی معقول علت اور دینی مصلحت ہی کے تحت کیا ہو گا جس کی وضاحت مناسب یا ضروری نہ ہو گی اور حضرت ابن عمرؓ نے اسی اعتماد کی بنا پر آپ کا کہا مان لیا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے وجہ بیان کر دی ہو مگر وہ آگے نقل ہونے سے رہ گئی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک باپ جب چاہے، اپنے بیٹے سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور بیٹے کے لیے اس کی تعمیل کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

لوہے کی انگوٹھی کا جواز و عدمِ جواز

سوال:۔ "آئین" (۳۰ ستمبر سنہ ۶۶ء) لاہور میں لوہے کی انگوٹھی کے جواز اور عدمِ جواز کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں یہ منقول ہے کہ اس کی حرمت کا کوئی حکم قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس کے اوپر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔